ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.3,Issue No.3(2021)
(July to September)

اقبال بحیثیت داعیِ امن

Iqbal as a Preacher of Peace

محمد اعظم

پی ایچ ڈی سکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز, اسلام آباد

Allama Iqbal was a philosopher cum poet. His philosophical poetry creates harmony among people of different religions of the world. Through his thoughts, he creates peace and brotherhood among humanity. His philosophy is about human life. He is of the view that Man is the most graceful creature in this world. He should understand his position in this universe. Allah Almighty has created Man for some specific role and tasks. If all the thoughts of Allama Iqbal are examined as a whole, then it is known that according to him, the greatness and virtue of man is greater than all the creatures. He gives the lesson of peace and love by his philosophic thoughts. He is of the view that humanity should live with peace and love without any discrimination of political and religion creed. His teachings brought peace in sub-continent.

Key words: Allama Iqbal, philosopher, philosophical poetry, brotherhood, humanity, Allah Almighty, sub-continent.

علامہ اقبال ایک فلسفی شاعر تھے۔یوں تو دنیا میں بے شمار فلسفی گزرے ہیں۔بہت سے فلسفے پیش کیے گئے۔ فلسفے کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ پرانا ہو جاتا ہے اور اس کی اثر پذیری صرف کتابوں تک رہ جاتی ہے۔ عملی طور پر انسانوں کو متاثر نہیں کرتا۔یوں تو ہر شاعر ہی فلسفی ہوتا ہے لیکن اس کی شاعری کو فلسفے کا نام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس کا فلسفہ کوئی واضح اور زندگی کا فلسفہ نہیں ہوتا۔مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان شعرا نے کسی نہ کسی طرح معاشرے کو سدھارنے کے لیے اپنی شاعری سے اخلاقی اور معاشرتی اقدار کی بحالی کا کام لیا۔کلاسیکی شاعروں میں ولی دکنی، میر تقی میر، خواجہ میر درد اور مرزا غالب اس بنا پر اہم ہیں کہ انھوں نے کسی نہ کسی شکل میں معاشرے میں اخلاقی اقدار اور انسان کی عظمت کا پیغام دیا ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> "یہ لوگ فلسفی نہیں تھے لیکن ذہن اور شعور کی ترجمانی نے ان کی شاعری میں فلسفیانہ رنگ و آہنگ کچھ اس طرح نمایاں کر دیا ہے کہ اس سے فلسفے کے بنیادی اصول اخذ کیے جاسکتے ہیں"۔[1]

اگر دنیا کے عظیم فلسفیوں کی فہرست بنائی جائے تو شاید ہی کوئی ایسا فلسفی ہو جو عظیم شاعر بھی ہو۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال کے فلسفے میں ایسی کیا بات ہے کہ وہ سو سال گزرنے کے بعد بھی متروک نہیں ہوا بلکہ اس کی افادیت اور اہمیت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔اقبال

کا فلسفہ زندگی کا فلسفہ ہے۔ انسان کی عظمت کا فلسفہ ہے۔ حرکت و عمل کا فلسفہ ہے۔ انسان سے محبت اور رواداری کا فلسفہ ہے۔ ان کے فلسفے کی بنیاد قرآن اور احادیث کی وہ الہامی روایات ہیں جس نے اس فلسفے کو آفاقی بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ متروک ہوا ہے اور نہ کبھی ہو گا۔ اقبال کے ذہنی و فکری ارتقا کا اگر مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز علمِ معاشیات پر کتاب لکھ کر کیا۔ "علم الاقتصاد" محققین کے نزدیک اردو زبان میں معاشیات پر اولین کتب میں سے ایک ہے۔ ان کے مضامین پر نظر ڈالی جائے تو ان کے ابتدائی مضامین بھی تعلیم و تربیت پر ہیں۔ "بچوں کی تعلیم و تربیت" اور "قومی زندگی" جو بالترتیب 1902ء اور 1904ء میں شائع ہوئے۔ ان مضامین میں بھی اقبال نے مسلمانوں کو تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو فضول خرچی سے بچانے کا درس دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی محنت کی کمائی کو فضول کاموں پر خرچ کرنے کی بجائے تعلیم پر خرچ کریں۔ اس دوران تک وہ بطور شاعر ابھی مشہور نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی شاعری کی کوئی کتاب منظر عام پر آئی تھی۔

ان دو شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک تعلیم اور معاش دو بنیادی مسئلے ہیں۔ علامہ اقبال کا یہی تعلیم و تربیت کا تصور ان کے بنیادی نظریے "خودی" میں ڈھل جاتا ہے اور معاشی نظریات آگے چل کر جمہوریت، آمریت اور ان کے دوسرے تصورات میں ڈھل جاتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ لادینی سیاسی نظام خواہ اس کا تعلق مشرق سے ہو یا مغرب سے مہلک خیال کرتے ہیں سرمایہ درانہ اور غیر سرمایہ درانہ سیاسی نظاموں میں ملوکیت، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتمالیت سب سے ان کی بیزاری کی ایک ہی وجہ تھی کہ ان میں جسم کی بھوک و پیاس کا انتظام تو کیا گیا لیکن روح کو بھوکا اور تشنہ چھوڑ دیا گیا۔ وہ اسلام اور اس کے دیے ہوئے آئینِ حیات کو دنیا کے سارے معاشی اور سیاسی خلفشار کا حل سمجھتے ہیں۔

علامہ اقبال نے خودی کی تربیت اور استحکام پر زور دیا ہے۔ اقبال کا افراد کو اپنی ذات پر اعتماد کرنے کی تلقین کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ذاتی اور غیر رسمی تعلیم کو کم اہم نہیں سمجھتے۔ انھیں یقین تھا کہ جب افراد میں خودی مستحکم ہو جاتی ہے تو ان میں قوتِ اعتمادی اور حقیقت شناسی پیدا ہوتی ہے جو ان کے کردار کو مضبوط بنا دیتی ہے۔ وہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم کے بھی قائل تھے۔ ان کے افکار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے سلسلے میں ان کا مطمحِ نظر ان کے فلسفہ خودی سے الگ نہیں ہے۔ فلسفہ خودی عظمتِ آدم اور اور احترامِ انسانیت کا ضامن ہے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتے تھے جس کی بنیاد رنگ، نسل یا علاقائی امتیازات کے بجائے اخوتِ انسانی پر ہو۔ جس میں بندہ و آقا، افغانی و تورانی، مشرقی و مغربی جیسے افتراقات کی کوئی جگہ نہ ہو۔ ہر شخص کو اپنی خودی کی تکمیل اور تربیت کے لیے یکساں مواقع میسر ہوں۔

علامہ اقبال کے افکار انسانیت کو امن اور بھائی چارے کا درس دیتے ہیں۔ اگر ان کے افکار کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی طور پر وہ ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے ترانہ ہندی لکھا:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا(2)

اسی ترانہ ہندی میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا[3]

وہ چاہتے تھے کہ ہندوستان میں سب مذاہب کے ماننے والے مل جل کر زندگی گزاریں۔ سفر یورپ نے ان پر علاقائی قومیت کے تصور کا بھیانک چہرہ آشکار کر دیا۔ جس کی بنا پر انھوں نے واضح فرمایا تھا۔

"دیارِ مغرب کے رہنے والو! خدا کی بستی دکاں نہیں ہے کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو، وہ اب زرِ کم عیار ہو گا۔ تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا۔"[4]

پروفیسر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

"مغرب کا نظریہ وطنیت و قومیت انسانی وحدت کے آفاقی تصور کے منافی ہے۔ اس نظریے نے انسانیت کے ٹکڑے کر کے جغرافیائی حدود میں مقید کر دیا۔ وطن کی بنیاد انسانیت کی اس غیر فطری تفریق تقسیم کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان انسان کے درمیان نفرت اور عداوت کی دیواریں حائل ہو گئیں ہیں۔ اب انسان انسان نہیں رہا، صرف جرمن، انگریز، چینی اور جاپانی بن کر ایک دوسرے کا حریف مقابل بن بیٹھا ہے۔ اسی کی بدولت استعماریت یا نو آبادیت نظام اور شہنشاہیت یا سامراجی نظام کی لعنتیں انسانیت پر مسلط ہو گئیں ہیں جو کمزور اقوام و افراد کے لیے تباہی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔"[5]

لہٰذا ان کی بصیرت نے جلد ہی اندازہ لگالیا کہ اگر مسلمانوں کو الگ وطن نہ ملا تو ہندوستان میں ہمیشہ کے لیے خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ ڈاکٹر شیر علی لکھتے ہیں:

اقبال کے مطابق عالمی جنگوں اور خلفشاروں کی بنیادی وجہ وطنیت کا منفی تصور ہے۔ اس تصورِ وطنیت کی بنا پر عالمی امن پارہ پارہ ہوا اور دنیا نے تباہی و بربادی کے وہ الم ناک مناظر دیکھے جن کا کبھی تصور بھی نہیں کیا گیا تھا[6]۔

وہ فرماتے ہیں:

ابھی تک آدمی صیدِ زبونِ شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے[7]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے قاضی عبدالحمید کو بتایا تھا کہ میں بہت عرصے تک سماجی اتحاد کے لیے وطن کو ہی بنیاد سمجھتا تھا۔ میرے خیالات اس وقت مادیت کی طرف مائل تھے۔ وطن کے سوا انسانوں میں اتحاد کا کوئی دوسرا راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن اب میں انسانوں کو ازلی و ابدی روحانی بنیادوں پر متحد کرنا چاہتا ہوں۔ جب میں اسلام کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو اس سے میری مراد اسلام کا روحانی نظام ہے۔ اسلام اور مسلم میرے لیے خاص اصطلاحات ہیں جن کو میرے خیالات کے لیے اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ اسلام میں خلافتِ راشدہ کے بعد ایک بھی متحدہ اسلامی ریاست قائم نہ ہو سکی اور نہ اس کی کوئی امید نظر آتی ہے البتہ اتحادِ اسلامی کا تخیل ممکن ہے۔ وہ اس طرح

کہ تمام اسلامی حکومتیں ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ ان کی بنیاد اخلاق اور محبت پر استوار ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے مغربی تصور قومیت کے برعکس ہیئتِ اجتماعی کا یہ ایک وسیع نقطہ نظر ہے جس میں نہ صرف مسلمان بلکہ ساری انسانی برادری جمع ہو سکتی ہے[8]۔

علامہ اقبال کا نظریہ حیات یہ ہے کہ انسان اس کائنات میں اپنی تخلیق کا عظیم مقصد پہچانے۔ اس مقصد کی پہچان کے لیے اسے اپنی ذات کا عرفان کرنا ہو گا۔ عرفانِ ذات علامہ اقبال کے نزدیک "خودی" ہے۔ انسان خودی کے عمل کے لیے حدود معین کرتا ہے۔ ان حدود کو متعین کرنے کا نام اسلام میں شریعت ہے۔ خودی خواہ مسولینی کی ہو، خواہ ہٹلر کی قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے۔ مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لیے پامال کیا، مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں۔ دوسری صورت میں قانون الٰہی اور اخلاق کی پابند ہے۔

علامہ اقبال محبت اور بھائی چارے کا درس دیتے ہیں۔ اگرچہ ان کے کلام میں "پلٹنا جھپٹنا"، "لہو"، خونِ جگر" اور "آگ لگادو" جیسے اتعارے جابجا ملتے ہیں۔ جس سے کچھ لوگوں نے یہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ فکرِ اقبال بغاوت پر ابھارتی ہے یا جنگ پر اکساتی ہے۔ ایسا صرف ان لوگوں کا خیال ہے جو اقبال کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کیسا قرآن میں آتا ہے کہ نماز کے اریب مت جاؤ۔ جب تک پورے سیاق کے ساتھ متن کو نہیں پڑھا جائے گا کسی بھی تحریر کا صحیح مفہوم نہیں مل سکتا۔ ورنہ اقبال تو امن اور آشتی کا درس دیتا ہے۔ وہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

> "معترض کا یہ کہنا ہے کہ اقبال اس دور ترقی میں جنگ کا حامی ہے غلط ہے۔ میں جنگ کا حامی نہیں ہوں نہ کوئی مسلمان شریعت کے حدودِ معینہ کے ہوتے ہوئے اس کا حامی ہو سکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی رو سے جہاد یا جنگ کی صرف دو صورتیں ہیں۔ محافظانہ اور مصلحانہ۔ پہلی صورت میں یعنی اس صورت میں جب کہ مسلمانوں پر ظلم کیا جائے اور ان کو گھروں سے نکالا جائے مسلمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت ہے (نہ حکم)۔ دوسری صورت جس میں جہاد کا حکم ہے 49:9 میں بیان ہوئی ہے۔"[9]

علامہ اقبال قرآن کریم کی سورۃ الحجرات 49 کی آیت نمبر 9 کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

> اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پس اگر ایک ان میں دوسرے پر ظلم کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ پھر گروہ رجوع کرے تو ان دونوں میں صلح کرادو اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

خلیفہ عبدالحکیم "فکرِ اقبال" میں لکھتے ہیں:

> "اقبال توسیع مملکت، نفع اندوزی یا غارت گری کے جذبے سے جنگ کرنے کے شدید مخالف تھے۔ وہ نوع انسان کی وحدت کا طالب ہے اور کہتا ہے یہ وحدت محبت کی جہانگیری اور اخوت کی وسعت سے پیدا ہوتی ہے۔ زمانہ حال کی اقتصادی جنگوں، جوع الارض کی جنگوں اور ضعیف اقوام کو مغلوب کرنے کی جنگوں کے خلاف اقبال نے جابجا نفرت اظہار کیا ہے۔"[10]

آج ہندوستان اور کشمیر کے حالات دیکھ کر علامہ اقبال کی بصیرت کو داد دیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ وہ امن کے داعی تھے۔ امن کی خواہش رکھنا اور بزدلی دکھانا دو الگ الگ تصورات ہیں۔ وہ امن کی خواہش تو رکھتے ہیں لیکن جہاں حق کی بات ہو گی یا اللہ کے دین کی سربلندی کا کام ہو گا تو وہ بلاخوف وخطر آگے بڑھنے کا درس دیتے ہیں۔ اسی لیے ٹیپو سلطان اور سلطان محمود غزنوی ان کے افکار میں قابلِ ستائش ہیں اور جعفر اور صادق ان کے ہاں نہایت ملعون قرار دیے جاتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں انسان اس کائنات میں اپنا مقام پہچانے اور اپنے فرائضِ منصبی جو اللہ نے اسے خلیفۃ اللہ کے تفویض کیے ہیں، انھیں بجالائے۔ ان فرائض کی بجاآوری کے لیے انسان کی تربیت ضروری ہے۔ اس کی تربیت کے لیے وہ خودی کا درس دیتے ہیں کہ انسان اپنی خودی کو پہچانے اور اس کا ادراک کرے۔

ان کے افکار میں امن کی دعوت ہے لیکن "امن کے لیے جنگ ضروری ہے" کے مصداق وہ کمزوری اور بیچارگی سے نفرت کرتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کا بھی خیال رکھے وہ اس دنیا میں مفید کام کرے۔ وہ فرماتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفریں، کارکشا، کارساز[11]

علامہ اقبال مذہبی رواداری اور برداشت کا درس دیتے ہیں۔ ان کے دوست احباب کی فہرست دیکھی جائے تو اس میں ہر مذہب کے افراد شامل ہیں۔ اس میں ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی اور بدھ مت کو ماننے والے لوگ شامل ہیں۔ جب علم وحکمت کی بات ہوتی ہے تو تب بھی یہی رواداری نظر آتی ہے۔ ان کے آفاقی نظریات سے جو متصادم ہوتا ہے چاہے وہ مسلمان عالم ہی کیوں نہ ہو، اقبال اس سے بھی قلمی جہاد اپنا فرضِ اولین سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک حق گوئی مسلمان کی سب سے اعلیٰ صفت ہے۔ ان کے کلام میں اگر "حسین احمد مدنی" پر نظم ہے تو گرونانک، آرنلڈ، شیکسپیئر اور دوسرے بہت سے شعرا اور ادبا کے لیے توصیفی نظمیں اور کلمات بھی ہیں۔

علامہ اقبال امن کے داعی ہیں۔ ان کے پیغام میں اخوت، محبت اور بھائی چارے کی تعلیم ہے۔ وہ دنیا کو رواداری کا درس دیتے ہیں۔ ان کی تمام شاعری اور نثری تصانیف کا اگر تجزیاتی مطالعہ کیا جائے تو اقبال ایک امن کے پیغامبر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ آج کے دور میں ہندوستان کے حالات اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اگر اقبال الگ وطن کا تصور پیش نہ کرتے تو شاید آج جنوبی ایشیا میں خانہ جنگی کی کیفیت ہوتی۔ ڈاکٹر عبد السلام خورشید علامہ کے خطبہ الہ آباد کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس سرزمین میں اسلام کی بقا کا دارومدار اسے ایک مخصوص علاقے میں مرتکز کرنے پر ہے۔ میں مطالبہ کرتا ہوں ہوں کہ ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفادات کے پیش نظر ایک مربوط مسلم ریاست قائم کر دی جائے۔ اس سے ہندوستان میں طاقت کا اندرونی توازن امن اور سلامتی کا پیام ہو گا"۔[12]

علامہ اقبال نے ہمیشہ فطرتی اصولوں پر ہی اپنے تصورات کی بنیاد رکھی ہے۔ ان کے افکار احترامِ انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ ان کے کلام میں خفیف ترین سطح پر بھی تصادم کا اشارہ نہیں ملتا۔ ان کے مطالعے کا ہر زاویہ ایک دوسرے سے استفادے اور مکالمے کی طرف رخ کرتا ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے تہذیبوں کا تجزیہ سیاسی یا ہنگامی بنیادوں پر نہیں کیا ہے بلکہ اصولی سطح پر کیا ہے۔ حقیقت ہے کہ آج ایک

دوسرے سے استفادے اورافہام و تفہیم کا یہی لچکدار رویہ اتحادِ اقوام کی فضاپیدا کر سکتا ہے اور مشترکہ منصفانہ عالمی نظام کی تخلیق کر سکتا ہے۔ پروفیسر سعید راشد علامہ اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"انسان کی بقاکارازانسانیت کے احترام میں ہے اور جب تک تمام دنیا کی علمی قوتیں اپنی توجہ کو احترامِ انسانیت کے درس پر مرکوز نہیں کرتیں یہ دنیا بدستور درندوں کی بستی رہے گی"(13)

علامہ اقبال دردمند دل رکھتے تھے۔ وہ غیر معمولی بصیرت کے مالک تھے۔ انھوں نے سالِ نو کا پیغام جو اپنی وفات سے چند ماہ قبل دیا وہ ان کی بصیرت اور دردمندی کا ثبوت ہے۔ اس پیغام کے اختتامیہ جملے یہ ہیں:

"یاد رکھیں! انسان انسان کا باہمی احترام کر کے ہی اس دھرتی پر سلیقے سے زندگی بسر سکتا ہے۔ یہ دنیا اس وقت تک خوفناک درندوں کی آماجگاہ رہے گی جب تک پوری دنیا کی تعلیمی قوتیں انسان میں انسان کے احترام کی روح نہ پھونک دیں۔۔۔ صرف ایک وحدت ہی قابلِ اعتماد ہے اور وہ ہے اخوتِ انسانی جو نسل، وطنیت، رنگ اور زبان سے ماورا ہے"(14)

اگر علامہ اقبال کے تمام افکار کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک انسان کی عظمت اور فضیلت تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہے۔ اگرچہ انھوں نے اپنے کلام اور افکار میں جو تلمیحات اور علامات استعمال کی ہیں وہ اسلامی ہیں اور ہر جگہ جہاں بھی وہ مثالی انسان یا معاشرے کا ذکر کرتے ہیں وہ اسلامی ہے۔ ایسا کسی دینی تعصب یا محض مسلمان ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انھوں نے اسلامی قوانین اور فقہ کا تنقیدی مطالعہ کیا تھا۔ ان کا یقین تھا کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت اور قرآن کے الہامی قوانین ہی انسانیت کی بقا اور عظمت کے ضامن ہیں۔ اسلام جس کا لفظی مطلب بھی "امن" ہے بھلا وہ کیسے جنگ اور دہشت گردی کی تعلیم دے سکتا ہے۔ خطوطِ اقبال کا بھی اگر جائزہ لیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے احباب میں مسلمان عالموں کے علاوہ، ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی شامل تھے۔ اقبال کی ساری زندگی بھائی چارہ اور مذہبی رواداری کا درس دیتی ہے۔

حوالہ جات

1. عبادت بریلوی ڈاکٹر، ادب اور ادبی قدریں، ادارہ ادب و تنقید، لاہور، 1983ء، ص16
2. اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع دہم 2011ء ص109
3. ایضاً ص110
4. ایضاً ص167
5. افتخار احمد صدیقی، پروفیسر ڈاکٹر، عروجِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اول 2011ء، ص450

6. شیر علی، ڈاکٹر، تہذیبوں کا تصادم اور فکر اقبال کی تشکیل وار تقامیں مغرب کا کردار، مشمولہ الحمد اردو شمارہ 9، الحمد اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد، جنوری تا جون 2018ء
7. اقبال، کلیاتِ اقبال، ص305
8. فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، دنیائے اسلام اور اقبالم مشمولہ ماہنامہ قومی زبان، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، نومبر 2006ء ص7
9. اقبال، کلیات مکاتیبِ اقبال، مرتبہ سید مظفر حسین برنی، بک کارنر جہلم، 2016ء، ص414
10. خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزمِ اقبال، 2 کلب روڈ لاہور، دسواں ایڈیشن، اپریل 2013ء، ص509
11. کلیات اقبال ص424
12. عبدالسلام خورشید، ڈاکٹر، نسر گذشتِ اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1977ء، ص313
13. سعید راشد پروفیسر، تذکرہ اقبال، بک کارنر، جہلم، 2013ء، ص337
14. تحسین فراقی، ڈاکٹر، اقبال۔ دیدہ بینائے قوم، پورب اکادمی اسلام آباد، نومبر 2015ء ص20